زیر سرپرستی

داعی اسلام شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

طلبہ جامعہ عارفیہ کا علمی، فکری، دعوتی اور تحقیقی ترجمان

جلد نمبر 08

شمار نمبر 02

ماہ نامہ دعوت وال میگزین

اگست ۲۰۲۴ء

صفر المظفر ۱۴۴۶ھ

قیمت: آپ کا مطالعہ اور تبصرہ

زیر نگرانی

شیخ حسن سعید صفوی ڈاکٹر ذیشان احمد مصباحی

چیف ایڈیٹر: محمد یعقوب **نائب ایڈیٹر:** نور الزماں

معاونین

آصف برکاتی ، ریان فاروقی

دور جدید میں فقہ اسلامی کی حیثیت

محمد یعقوب

فقہ اسلامی کی حیثیت ہر دور میں نمایاں رہی ہے، کیوں کہ یہ ایسا علم ہے جو اسلامی علوم و قوانین کا مجموعہ ہے، جس کے ذریعے امت مسلمہ کے مسائل کا حل کیا جاتا ہے اور نو پید مسائل کا آسان اور بہترین حل تلاش کر کے امت مسلمہ کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ فقہ اسلامی کا بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی آغاز ہو گیا تھا۔ صحابہ کرام اپنے درپیش مسائل کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سوالات کے جوابات عنایت فرما دیتے۔ آغاز اسلام کے وقت تمام علومِ اسلامیہ کو فقہ ہی سے تعبیر کیا جاتا، لیکن تابعین و تبع تابعین کے زمانے میں علم فقہ ایک الگ فن کی حیثیت سے متعارف ہوا۔

فقہ اسلامی پر کئی ادوار گزرے ہیں جن کو مورخین نے چھے ادوار میں منحصر کیا ہے۔ فقہ اسلامی کے دور جدید کے متعلق مورخین کا یہ ماننا ہے کہ اس کا آغاز سلطنت عثمانیہ میں مرتب کیے گئے رسالہ "مجلۃ الاحکام العدلیہ"، سے ہوتا ہے، جس کو انیسویں صدی کے نصف میں ترکی کے علما کے ایک پینل نے حکومت کے ایما پر معاملات سے متعلق مسائل کو قانونی اور دفعاتی اسلوب پر راجح اقوال کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ البتہ! بعض مسائل میں عرف و عادات کی رعایت کرتے ہوئے مرجوح اقوال بھی ذکر کیے ہیں۔ اس کے مقدمے میں فقہ کے مختصر تعارف کے ساتھ تقریباً سوا ایسے قواعد ذکر کیے ہیں جن پر پوری فقہ کی عمارت قائم ہے اور اس میں ہر باب سے متعلق فقہی اصطلاحات ذکر کی گئیں ہیں۔ یہ کل (۱۸۵۱) دفعات پر مشتمل ہے۔ دور جدید میں نو فارغین کے لیے فقہ اسلامی کی جدید اسلوب میں تعلیم اور فقہ و قضاے معاصر سے ان کی آگاہی ضروری ہے۔ اس لیے ارباب حل و عقد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے نصاب تعلیم پر غور کریں اور زمانے کی رعایت کرتے ہوئے نصاب تعلیم میں ترمیم و اضافہ کریں تا کہ ایسے علما تیار ہوں جن کو کتب فتاویٰ سے زیادہ قرآن و حدیث ازبر و مضبوط ہوں کیوں کہ اب انداز استفتا مختلف ہو چکا ہے، ایک دور تھا کہ علما سے سوال کیا جاتا تو وہ جواب عنایت فرما دیتے۔ تحریری طور پر جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ کچھ عرصے بعد لکھ کر سیدھا سادھا جواب دیا جانے لگا اور حالات بدلے حتی کہ اب یہ حالات ہیں کہ مستفتی کسی بھی مسئلے کے متعلق سوال کرے لیکن اس کا سوال ان الفاظ سے ضرور مزین ہوتا ہے "قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں" اس لیے ضروری ہے کہ کتب فقہ و فتاویٰ سے زیادہ براہ راست قرآن و حدیث اہل مدارس کے زیر مطالعہ ہو، کیوں کہ کتب فتاویٰ میں حالات و زمانے کی رعایت ہوتی ہے اس لیے بہت سے فتوے صاحب کتاب کے زمانے کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ ان کو ہر دور میں عمل درآمد کرنا عوام کو مشقت میں مبتلا کرنا ہے جو اہل علم کا شیوہ نہیں۔ دور حاضر میں مسائل شرعیہ کو حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا جائے قرآن و حدیث اور آثار صحابہ و تابعین میں کسی مسئلے کا ذکر نہ ہونے کے بعد بھی فقہ و فتاویٰ کی جانب رجوع نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہمارے ملک میں فقہ حنفی کے پیروکار ہیں اس لیے ضروری ہے کہ جس مسلک کی تقلید کی جا رہی ہے اس کی امہات الکتب کی جانب رجوع کیا جائے اور ان کی جانب رجوع کرنا اسی وقت ممکن ہوگا جب وہ نصاب تعلیم کا حصہ ہوں، بصورتِ دیگر نو فارغین سے ان کے مطالعہ اور ان کتب سے استدلال کرنے کی امید کرنا عنقا ہے۔ آج برصغیر پاک و ہند میں فقہ کو چند علما کے مرہونِ منت قرار دے دیا گیا ہے، اگر کوئی بھی مسئلہ ان علما کے فتاویٰ سے معارض ہو تو اہل علم کا ایک طبقہ اس اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے پر الزام تراشی اور لعن طعن کا آغاز کر دیتا ہے، حالانکہ افتا میں زیر درس کتاب رسم المفتی میں یہ بات مذکور ہے کہ بہت سے مسائل شرعیہ ایسے ہیں جن کا حکم عرف و عادات اور زمانے کی رعایت کی وجہ

سے بدل جاتا ہے، جیسے امام اعظم کے دور میں گھر خریدتے وقت صرف باہر سے دیکھ لینا کافی تھا لیکن امام محمد کے زمانے میں عرف بدل گیا اور خرید وفروخت کے وقت گھر میں داخل ہو کر دیکھنا لوگوں کا معمول ہوگیا، اس لیے امام محمد کا فتویٰ یہ ہے کہ باہر سے دیکھنا کافی نہیں بلکہ اندر سے دیکھنا ضروری ہے۔ اہل علم کا اختلاف ہر دور میں رہا ہے کیوں کہ نصوص محدود ہیں اور مسائل شرعیہ غیر محدود، جتنی سرعت کے ساتھ دنیا ترقی پذیر ہو رہی ہے اتنی ہی قوت و توانائی کے ساتھ نت نئے مسائل شرعیہ پیدا ہو رہے ہیں اس لیے اختلاف کا ہونا لازمی ہے جب صرف نصوص سے تمام مسائل کو حل نہیں کیا جا سکتا تو محض کسی ایک شخص کی کتب اور فقاہت و بصیرت سے تمام مسائل کا حل کیسے ممکن ہے۔ اس لیے اجتہاد کی ضرورت پیش آئے گی اور اجتہاد موافق بھی ہو سکتا ہے اور مخالف بھی۔ ان میں کس کا اختیار صحیح ہے اور کس کا غلط اس کا علم صرف اللہ کو ہے، بندوں کو نہیں، اس لیے بندوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس کا ان کو علم نہیں اس کے متعلق حتمی طور پر صحیح و غلط کا فیصلہ کریں۔ لہذا اہل علم کا اگر مسائل شرعیہ میں اختلاف ہو تو اسے بسر و چشم قبول کرنا چاہیے کیوں کہ علمی اختلاف کرنا یہ اہل علم کی شرعی ذمے داری ہے جس سے ان کو دست بردار نہیں کیا جا سکتا۔

عصر حاضر میں فقہ اسلامی کی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس کے طریقہ تدریس میں کچھ تبدیلی کے ساتھ ساتھ جدید اسلوب میں کتب فقہ مرتب کرنا ضروری ہے کہ کتب فقہ قانونی کتب کے منہج پر تصنیف و تالیف کی جائیں اور اسی طرز پر ان کی درس و تدریس ہو، ساتھ ہی یہ بھی لازم ہے کہ تدریس میں محض قدیم یا محض جدید کتب پر اکتفا نہ جائے بلکہ قدیم و جدید دونوں کا درس اس طور پر ہو کہ پڑھنے والا دونوں کے اسلوب سے واقفیت کے ساتھ ساتھ ان سے استفادہ بھی کر سکے۔ دوران تدریس صرف کتب احناف پر اکتفا نہ کر کے مذاہب فقہا بھی زیر درس ہوں تاکہ دور جدید میں پیدا ہونے والے مسائل کے حل کے لیے بوقت ضرورت ان کی جانب بھی رجوع کیا جا سکے اور امت مسلمہ کی ضرورت و حاجت کے وقت درست رہنمائی ہو سکے۔

عصر حاضر میں جہاں دنیا مریخ اور مشتری پر کمندیں ڈال رہی ہے اور آئے دن جدید اشیا اور ٹیکنالوجی وقوع پذیر ہو رہی ہے ایسے فقہ میں اسلامی کی اہمیت و افادیت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اس لیے اہل علم و دانش اور ارباب فقہ و فتاویٰ پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ زمانے کی رعایت کرتے ہوئے پورے فقہی ذخیرے کا مطالعہ کرنے کے بعد بنیادی اصولوں پر قائم رہتے ہوئے جدید مسائل کا ایسا حل تلاش کریں جو اس ترقی یافتہ زمانے کے معارض و مخالف نہ ہو کر تطبیق و موافقت کی راہ ہموار کرے جیسے وہ مسائل جن کا تعلق مالیات و معاشیات اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجیز سے ہے۔ اس لیے کہ اکثر افراد ان مسائل کی گرفت میں ہیں، یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ علما اجتہاد کی مالہ اور ماعلیہ کے ساتھ تحقیق کا حق ادا کریں۔ یہ اقدام کرنا ضروری ہے۔ یہ وقت کی پکار ہے کیوں کہ آج فقہ کو جدیدیت، سیکولرازم اور بہت سے تنقیداتی چیلنجز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ان کا مقابلہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے، جب کہ بنیادی اصولوں پر استدلال کے ذریعے آزادی فکر و نظر اور رائے دہی پ مکمل اختیار ہو اور کتب فقہ کو جدید پیرائے میں ڈھال کر پیش کیا جائے یعنی فقہ کی حیثیت قانون (Law) کی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کتب فقہ بھی قانونی اور دفعاتی شکل میں مرتب کی جائیں تاکہ ہر عام و خاص کے لیے ان کے افہام و تفہیم میں آسانی پیدا ہو سکے۔ فقہ اسلامی مسلم زندگی کا ایک متحرک اور لازمی حصہ ہے اور اس کو آج بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے، اس لیے جدیدیت اور حالات حاضرہ پر نظر رکھتے ہوئے اس علمی تراث میں حذف و اضافے اور جدید اسلوب میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

فقہ اسلامی کا پہلا دور: عہد نبوی ﷺ

آصف برکاتی

تاریخ فقہ اسلامی کے چھے ادوار میں سے پہلا دور عہد نبوی ہے، ہجرت سے پہلے بعثت نبی ﷺ کے تیرہویں سال اس دور کی ابتدا اور ربیع الاول ۱۱ ہجری میں آپ ﷺ کی اس دنیا سے رحلت پر انتہا ہوتی ہے۔

اسی دور میں اللہ تعالی نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا، قرآن کو عقائد و اخلاق کی تعلیم اور احکام شرعیہ عملیہ کو بیان کرنے کے لیے اتارا گیا، جس کی ہر فرد اور مسلم معاشرے کو حاجت و ضرورت ہے۔ کیوں کہ یہ کامل شریعت ہے اس کو اللہ تعالی نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے اتارا اور اس کے ذریعے بنی نوع انسانی کی زندگی کو مثالی بنا دیا۔ عہد نبوی دو ادوار میں منقسم ہے، مکی اور مدنی۔

مکی دور میں شریعت اسلامی: مکہ میں ہجرت نبوی سے قبل اور بعد ہجرت نبوی تقریبا ۲۳ سال تک وحی الہی کا سلسلہ جاری رہا اور اسی مدت میں دین مکمل ہوا۔ احکام شرعیہ عملیہ اسی دور میں نازل ہوئے مکے میں اسلامی دعوت کی توسیع بہت کم ہو پائی، کیوں کہ مسلمان مکہ مکرمہ میں قلیل و کمزور تھے۔ مکہ اصول دین بیان کرنے کا مرکز تھا اس لیے اللہ تبارک و تعالی نے اپنے رسول، یوم آخرت پر ایمان لانے، اچھے اخلاق، عدل و انصاف، وعدہ و احسان، عفو و درگزر کرنے، اللہ وحدہ لاشریک سے ڈرنے اور شکر کرنے کا حکم دیا۔ ان چیزوں سے بچنے کی تاکید کی گئی جو اخلاق کے منافی ہیں جیسے زنا و قتل، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے، ناپ تول میں کمی کرنے، اور برے کاموں سے بچنے کا حکم دیا۔

مدنی دور میں شریعت اسلامی: مدینہ شریف میں آیات احکام کا نزول ہوا، جو انسانی اعمال و عبادات سے تعلق رکھتی تھیں جیسے روزہ، نماز، حج، زکوۃ، اور احکام بیع و اجارہ۔ ان تمام احکام کو اللہ تبارک و تعالی نے شرح و بسط کے ساتھ قرآن میں بیان فرما دیا۔ شریعت کی تدریج سے پہلے ہم منہج رسول ﷺ پر گفتگو کریں گے کیوں کہ اللہ تعالی نے اپنے بندے محمد رسول اللہ ﷺ کو حق کے ساتھ احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرمایا جیسا کہ اللہ تبارک و تعالی قرآن مجید میں اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے۔ وانزلنا الیك الذکری لتبین للناس ما نزل إلیهم ولعلهم یتفکرون

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر اپنا ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو بتائیں جو ان کی طرف اتارا گیا تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

اسی دور میں قرآن و حدیث کے ذریعے احکام بیان ہوئے، یہ دونوں ہی دین و شریعت کے بنیادی اصول ہیں۔ صحابہ کرام جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے اسی طرح کرتے جیسے وضو، نماز، حج اور زکوۃ وغیرہ انھیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں رہتا کہ فرض ہے یا سنت، ان پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ غالب تھا، بلکہ ان اصطلاحات پر بعد کے زمانے میں بحث شروع ہوئی۔

اس زمانے میں احکام کا مصدر روحی الہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل تھا۔

یہ بات غور طلب ہے کہ شریعت اسلامی کو یک بارگی نہیں اتارا گیا، بلکہ قرآن مجید کو حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا۔ اس کے علاوہ آیات قرآنیہ کو عبادات، معاملات اور واقعات میں تقسیم کیا گیا۔

احکام میں تدریج: عہد نبوی کے شرعی احکام کا نزول تدریجی طور پر ہوا۔ شریعت میں تدریجی احکام کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم: شریعت میں جملہ احکام کو یک بارگی نہیں اتارا، بلکہ اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت اتارا گیا، جیسا کہ ہجرت سے پہلے معراج کی رات نماز فرض ہوئی اور ہجرت کے پہلے سال اذان، قتال، نکاح، ولیمہ اور صدقہ کی مشروعیت ہوئی۔ ہجرت کے تیسرے سال احکام وراثت،

طلاق اور سفر میں قصر نماز کی مشروعیت ہوئی اور اسی سال اللہ تعالی نے احکام تیمم اور حج کو فرض کیا۔ چھٹی ہجری میں اللہ تعالی نے احکام صلح و حصار بیان فرمائے اور اسی میں اللہ تعالی نے شراب کی قسموں کو حرام کیا۔ ہجرت کے نویں سال لعان کا حکم اور کفار کو دخول مکہ سے روکا گیا۔ دسویں سال سود کو مکمل طور پر حرام کر دیا گیا۔

دوسری قسم: جس میں تفصیلا احکام کو بیان کیا گیا جیسے ہجرت سے پہلے نماز دو رکعت فرض تھی، جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ ہجرت فرما کر تشریف لے گئے تو چار رکعت فرض ہوئی۔ زکوۃ مکہ شریف میں مشروع ہوئی لیکن اس کے نصاب کی خاص مقدار کو بیان نہیں کیا گیا اور نہ ہی نماز کے احکام کو یک بارگی بیان کیا گیا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے بیان کیا گیا، لیکن مدینہ میں تمام اجمالی احکام کی تفصیلات کو بیان کیا گیا۔

سنت نبوی کی تدوین: رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اہل عرب عام طور سے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، ان کا سارا دارومدار حافظہ پر موقوف تھا۔ اس لیے وہ جو کچھ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے اس کو حفظ کر لیتے۔ تدوین حدیث کے متعلق وہ دو گروہ میں منقسم ہو گئے۔

ایک گروہ کا کہنا تھا کہ اختلاط قرآن کی وجہ سے تدوین سنت نہ کی جائے۔

دوسرا گروہ تدوین سنت کا قائل تھا۔

اجتہاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک اجمالی نظر: بیشک اس پر امت کا اجماع ہے کہ مصادر شریعت اس زمانے میں اللہ تعالی کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی، لیکن رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے مسائل میں اجتہاد ثابت ہے مگر بعض علما نے اختلاف کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اجتہاد نہیں کیا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا اجماع جس طرح اصول دین میں حجت ہے اسی طرح فروعات کی بحث میں بھی حجت ہے، لیکن مصنف چوں کہ اصول دین کا ذکر کر رہے تھے، اس لیے انھوں نے صرف اصول دین کا تذکرہ کیا۔ نیز جس طرح صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا اجماع حجت ہے اسی طرح ہر زمانے میں اہل عصر اور اہل زمانہ کا اجماع بھی حجت ہے، البتہ! بعض علما کہتے ہیں کہ صرف صحابہ کا اجماع حجت ہے، بعض کہتے ہیں کہ صرف اہل مدینہ کا اجماع حجت ہے، بعض کہتے ہیں صرف اہل بیت رسول کا اجماع حجت ہے، لیکن ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ہر زمانے کے علما جو صاحبان عدالت و اجتہاد ہوں، ان کا اجماع حجت ہے، اس میں علما کی قلت و کثرت کا کوئی اعتبار نہیں، نہ مرتے دم تک اس پر ثبات و بقا کا کوئی اعتبار ہے، نہ باطل پرستوں کی گم راہیوں کے سلسلے میں ان کی مخالفت کا کوئی اعتبار ہے اور نہ ان لوگوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار ہے جو زیر بحث مسئلے میں صاحب الرائے نہ ہوں، البتہ ان مسائل میں ان کی رائے معتبر ہے جو مسائل غیر قیاسی ہوں، جن میں رائے کی حاجت نہیں ہوتی۔

(مجمع السلوک سے اقتباس)

فقہ اسلامی کا دوسرا دور: عصر صحابہ

ریان فاروقی

فقہ اسلامی کا دوسرا دور عصر صحابہ ہے جو گیارہ ہجری سے چالیس ہجری تک ہے۔

صحابہ کرام کی فضیلت و تربیت: رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام اپنے جان و مال کو قربان کرکے اللہ کے دین کی حفاظت و صیانت کی اور تابعین کرام تک اسی طرح پہنچایا جس طرح نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے بیان کیا تھا۔ صحابہ کرام کی تربیت خود حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کی اور اپنی وفات تک وقوع پذیر ہونے والے تمام مسائل کو اسی طرح سکھایا جس طرح آپ پر وحی الہی نازل ہوئی۔

صحابہ کرام کے درجات: علامہ ابن قیم نے ان صحابہ کا ذکر کیا ہے جن سے فتاوے منقول ہیں، کل اہل فتویٰ مرد و خواتین صحابہ کی تعداد ۱۰۰ تک پہنچتی ہے پھر ان کے تین گروہ ہیں۔

(۱) مکثرین یعنی وہ صحابہ یا صحابیات جن سے بہت زیادہ فتاویٰ منقول ہیں ان کی تعداد سات ہیں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود۔

(۲) متوسطین یعنی وہ صحابہ یا صحابیات جن سے متوسط تعداد میں فتاویٰ منقول ہیں۔ جیسے حضرت ابوبکر، حضرت عثمان غنی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔

(۳) مقللین یعنی وہ صحابہ یا صحابیات جن سے ایک یا دو فتاویٰ منقول ہیں۔

صحابہ کرام کی خدمات: صحابہ کرام کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی جانب سے جو کچھ بھی بطور امانت ان کو ملا، ان ساری چیزوں کو اپنی وفات سے پہلے تابعین تک منتقل فرما دیا۔ ستّر سے زائد حفاظ شہید ہونے کے بعد ضیاع قرآن کے خوف کے سبب تدوین قرآن کی، احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت کے تعلق سے صحابہ کرام دو گروہ میں منقسم ہو گئے۔

(۱) وہ صحابہ جنھوں نے خود نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے عہد اور اپنے عہد میں تدوین حدیث کی۔

(۲) وہ صحابہ جو اختلاط قرآن کی بنا پر تدوین حدیث سے منع فرماتے تھے، اور وہ مسائل جن کو قرآن و حدیث میں نہیں پاتے ان کو اپنے اجتہاد سے حل کرتے۔

صحابہ کرام کے اجتہادات: رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی وفات کے بعد امیر المومنین کے انتخاب میں اختلاف ہوا، سقیفہ بنو ساعدہ میں مکالمے کے بعد تمام صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو امیر المومنین منتخب کرنے میں متفق ہو گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے بعض صحابہ نے مانعین زکات کے قتل کے سلسلے میں مخالفت کی، حضرت ابوبکر نے مانعین زکات کو تارک صلاۃ پر قیاس کرکے ان کے ساتھ قتال کو واجب قرار دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کی رائے سے کتابت مصحف اور جمع قرآن کے سلسلے میں موافقت کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی رائے کا مقصد قرآن کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا رمضان کے مہینے میں تمام لوگوں کو ایک امام کی اقتدا میں نماز تراویح ادا کرنے کے لیے جمع کرنا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا تمام مسلمانوں کو ایک مصحف پر جمع کرنا اور بقیہ کو جلانے کا حکم دینا۔ صحابہ کرام نے نکاح،

طلاق اور عدت کے سلسلے میں غلام کو آزاد کا نصف بنایا۔ اس آیت کریمہ پر قیاس کرتے ہوئے: (فاذا احصن فان أتین بفاحشة فعلیهن نصف ما علی المحصنات)۔

صحابہ کرام کے درمیان اجتہادی اختلافات: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ کرام کا کسی مسئلے میں اختلاف نہیں ہوتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ جب بھی کوئی اختلاف واقع ہوتا تو اس کو حل کرنے کے لیے بارگاہ نبوی میں چلے جاتے تھے، لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے اجتہادات کیے جس کے سبب ان کے مابین اختلافات واقع ہوئے۔

وہ منہج جن کو صحابہ کرام نے قائم کیا: عہد شیخین میں کبار صحابہ کا مدینہ میں باقی رہنا، جس کی وجہ سے ان کو رجوع کرنے میں آسانی ہوتی۔ صحابہ کرام مسائل عقلیہ کو ترک کر دیتے ت اور اس میں مصروف رہنے کو اپنے وقت کا ضیاع تصور کرتے۔

نظام شوریٰ: جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو مخصوص کبار صحابہ کرام کا پینل اس مسئلے کا حل تلاش کرتا۔

ان تمام اسباب کی بنا پر صحابہ کرام کے مابین کم اختلاف واقع ہوا۔

صحابہ کے مابین اسباب اختلاف: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دولت اسلامیہ کے وسیع ہونے کے ساتھ ہی نئے نئے مسائل درپیش ہوئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہیں تھے اور عرف وعادات کے اختلاف کی وجہ سے بہت سے مسائل میں اختلاف رونما ہوا۔

اختلاف کا ایک سبب صحابہ کرام کا فہم نصوص میں مختلف ہونا یعنی بعض صحابہ تک کوئی حدیث پہنچی اور بعض تک نہیں پہنچی۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد صحابہ کرام حضرت علی کی خلافت میں مشغول ہوئے، اگرچہ سلطنت اور خلافت کے مابین اختلاف واقع ہوا، مگر اس میں بہت سے شرعی احکام میں بھی اختلافات پیدا ہوئے۔

رائے پر اعتماد کرنے میں بعض صحابہ حرج سمجھتے، بعض اس کا استعمال حاجت کے وقت کرتے اور بعض کوئی حرج ہی نہیں سمجھتے۔ صحابہ کرام جن ممالک میں آباد ہوئے، ان کے ماحول، ضرورت اور رسم ورواج کے اختلاف کے سبب بھی اختلافات پیدا ہوئے۔

صحابہ کرام کے عہد میں فقہ کے ماخذ: کبار صحابہ کے عہد میں اصل ذریعہ کتاب وسنت تھا۔

نیا ذریعہ اجتہاد تھا جس کو (رائے) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور لفظ رائے متعدّد اصول کو شامل ہے، جس کے ذریعے وہ دلیل اخذ کرتے جیسے قیاس، استحسان اور استصلاح وغیرہ۔

> مسئلۂ جہاد کو ان اسلامی مسائل میں سرفہرست رکھا جاسکتا ہے، جن کی تفہیم وتعبیر میں ابہامات ہی نہیں غلط فہمیاں بھی روا رکھی گئی ہیں۔ بدقسمتی سے موجودہ عہد میں جہاد، فساد کے معنی میں بدنام ومتعارف ہوگیا ہے۔ ایسے میں یہ سوال بار بار دہرایا جاتا ہے کہ آیا اسلام کا فلسفۂ جنگ امن کا سفیر ہے یا دہشت کا داعی؟ یہ سوال اور بھی اہم ہوجاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹ء-۱۹۴۵ء) کے بعد جنگ کا رخ بطور خاص یورپ سے موڑ کر عالم اسلام کی طرف کر دیا گیا، تب سے اب تک عالم اسلام مسلسل جنگوں کی زد پر ہے۔ اب ایک عام آدمی تو گہرائی سے ان جنگوں کے اسباب وعوامل اور اثرات پر غور نہیں کرتا، ایسے میں اسلام دشمن عناصر کا فریبی ذہن بہ آسانی عوام کو اپنا شکار بنالیتا ہے اور وہ اس طلسم میں جینے لگتے ہیں کہ کہیں نہ کہیں ان آتش فشانیوں کا سرا اسلامی فلسفۂ جنگ سے مربوط ہے۔
>
> (ڈاکٹر ذیشان احمد مصباحی کی کتاب **"تفہیم جہاد"** سے اقتباس)

فقہ اسلامی کا تیسرا دور: عہد تابعین

نور الزماں

یہ بات ہر شخص پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم ﷺ کے دست نبوت سے تربیت حاصل کی اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے منہج پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے، اسی طرح تابعین کرام نے بھی صحابہ کی آغوش میں پرورش پائی اور صحابہ کے منہج پر قائم رہے۔ یہ دور در حقیقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی امارت سے شروع ہوتا ہے اور حکومت بنوامیہ کے آخری زمانے تک کا احاطہ کرتا ہے، (اس کی ابتدا ۴۱ھ، اور انتہا ۱۰۱ھ تقریبا دولت امویہ کے اختتام تک ہے) یہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔

تابعین نے صحابہ کرام سے کیسے تعلیم و تربیت پائی: در حقیقت اس عہد میں سلطنت اسلامیہ کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا، فقہائے صحابہ نے دوسرے اسلامی شہروں کو اپنا مسکن بنالیا تھا، متعدّد تابعین متعدّد صحابہ کے حلقہ درس میں شامل تھے۔ ان میں سے ہر ایک گروہ نے کسی نہ کسی صحابی کی فقہی و شرعی آرا کے اتباع کو مخصوص کر لیا۔ مثلاً اہل مدینہ کا تمام تر رخ عبداللہ بن عمر کی طرف تھا، اہل کوفہ نے اپنے آپ کو عبداللہ بن مسعود کے فتووں کا پابند بنالیا تھا، اسی طرح عبداللہ بن عباس اہل کوفہ کے پیشوا تھے، عبداللہ بن عمرو بن العاص اہل مصر کے لیے ہر قول و عمل میں مرجع بن گئے تھے، چنانچہ صحابہ کرام کی تعلیم و ارشاد کے ذریعے تابعین کی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جوں جوں علمی فقہی مسندوں کو خالی کرتے گئے، تابعین کرام ان مسندوں پر جلوہ افروز ہوتے گئے۔

تابعین کا منہج و مسلک: تابعین عظام کا منہج و مسلک صحابہ کرام کے نہج پر تھا یعنی وہ بھی فقہی مسائل میں کتاب اللہ اور سنت کی طرف رجوع کرتے تھے، اگر کوئی مسئلہ کتاب و سنت میں نہ پاتے تو اجماع صحابہ کا رخ کرتے اور اگر اجماع بھی نہ پاتے تو خداداد صلاحیتوں سے اجتہاد کرتے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ تابعین کا مذہب و مسلک بعینہ وہی تھا جو صحابہ کرام کا تھا۔

فقہی مدارس تابعین کے زمانے میں متعدّد تھے لیکن ان میں دو مدرسے مشہور تھے۔ ایک **مدرستہ المدینہ** اور دوسرا **مدرستہ الکوفہ** مدرستہ المدینہ کے فقہا اہل حدیث سے مشہور ہوئے، اس کی بنیاد کتاب و سنت کے ظاہر پر تھی، اور یہاں کے علماء رائے اور قیاس سے حتی الامکان اجتناب کرتے تھے۔

حجاز کے مشہور تابعین کے اسماء: سعید بن مسیب (۹۴ھ) عروہ بن زبیر (۹۴ھ) ابوبکر بن عبدالرحمن (۹۴ھ) عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (۹۸ھ) خارجہ بن زید بن ثابت (۹۹ھ) قاسم بن محمد بن ابی بکر (۱۰۱ھ) سلیمان بن یسار (۱۰۷ھ)

مدرسہ کوفہ کے فقہا نصوص کے الفاظ کے ساتھ معنی میں بھی غور و خوض کرتے، شریعت کے اصل منشا کو سامنے رکھ کر روایت و درایت کے ساتھ اجتہاد کرتے، کوفہ میں صحابہ کی ایک کثیر جماعت موجود تھی جن میں عبداللہ ابن مسعود، ابو موسی اشعری، سعد بن ابی وقاص، عمار بن یاسر، حذیفہ بن یمان اور انس بن مالک یہ تمام تر صحابہ کوفہ میں قیام پذیر تھے۔ صحابہ کے بعد علما کی ایک بڑی جماعت پیدا ہو گئی

جن میں علقمہ بن قیس نخعی (۷۲ھ)، اسود بن یزید نخعی، ابو میسرہ، عمر بن شراحیل ہمدانی، مسروق بن اجدع ہمدانی و عبید سلمانی اور شریح بن حارث کندی وغیرہ تھے۔

ان دونوں فقہی مدارس کے درمیان دو فرق تھے، اول یہ کہ اہل حدیث کسی حدیث کو قبول اور رد کرنے میں محض سند کی تحقیق کو کافی جانتے تھے اور خارجی وسائل سے کام نہیں لیتے تھے۔ جب کہ اصحاب الرائے اصول روایت کے ساتھ اصول درایت کو بھی ملحوظ رکھتے تھے، وہ حدیث کی سند کے علاوہ اس طور پر بھی تفتیش کرتے کہ وہ قرآن کے مضمون سے ہم آہنگ ہے یا اس سے متعارض ہے؟ دین کے مسلمہ اصول کے موافق ہے یا نہیں؟ صحابہ کا اس حدیث پر عمل رہا ہے یا نہیں؟ دوسرا فرق یہ تھا کہ اہل حدیث حدیث میں مذکور مسائل سے آگے نہیں بڑھتے تھے، جب کہ اصحاب الرائے فرضی مسائل میں بھی اجتہاد کرتے اور ان کو جمع کرتے تھے۔

اس دور میں سب سے بڑا کام تدوین حدیث کا ہوا، جو دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے ہی شروع ہو چکا تھا، لیکن ایک جامع انداز میں اس کی ترتیب عمل میں نہیں آئی تھی۔ بلکہ مختلف لوگوں نے اپنی اپنی یادداشتیں لکھ رکھی تھیں، اب چونکہ زیادہ تر صحابہ رخصت ہو چکے تھے اور دوسری طرف فرقہ باطلہ کے نمائندوں نے اپنی طرف سے حدیثیں گھڑنی شروع کر دی تھیں اسی کو دیکھتے ہوئے، اسی دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ احادیث کا ذخیرہ اور صحابہ کرام کے فتاویٰ اور ان کے اقوال ضائع نہ ہو جائیں، اب قرآن کا غیر قرآن سے اختلاط کا خوف بھی نہ تھا، کیوں کہ قرآن کریم سینوں اور اوراق میں محفوظ ہو چکا تھا، حفاظ کرام ہزاروں کی تعداد میں پائے جاتے تھے، کوئی ایسا گھر نہ تھا جہاں قرآن کریم کا نسخہ موجود نہ ہو۔ لہٰذا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تدوین حدیث کی طرف توجہ فرمائی اور حاملین علوم حدیث کو اس کی تدوین کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ کے حکم پر ابنِ شہاب زہری نے اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے یہ کام انجام دیا۔

اس دور کے اہم فقہا و ارباب افتا کے نام: مدینہ میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، سعید انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین **مکہ** میں حضرت عبداللہ بن عباس، امام مجاہد، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح **کوفہ** میں علقمہ، نخعی، مسروق، عبیدہ بن عمرو سلمانی، اسود بن یزید نخعی، قاضی شریح، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر شعبی رحمہم اللہ۔ **بصرہ** میں حضرت انس بن مالک انصاری، ابوالعالیہ، جابر بن زید، محمد بن سیرین اور قتادہ رحمہم اللہ۔ **شام** میں عبدالرحمن بن غانم، ابوادریس خولانی، مکحول، قبیصہ بن ذویب، رجاء بن حیوٰہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ۔ **مصر** میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، مرثد بن عبداللہ بن بزی، یزید بن ابی حبیب رحمہم اللہ۔ یمن میں طاؤس بن کیسان، وہب بن منبہ صنعانی اور یحییٰ بن ابی کثیر (رحمہم اللہ) عہد تابعین تاریخ فقہ اسلامی کا ایک نمایا دور ہے جس میں فقہ کی تدوین، اجتہاد کی وسعت، احادیث کی جمع و تدوین اور مختلف فقہی مکاتب فکر کی بنیاد رکھی گئی، نیز اسی دور میں فقہ اسلامی کی تدوین کا باقاعدہ آغاز ہوا، صحابہ کرام کے اقوال اور احادیث کو جمع کیا گیا اور انھیں اصول و قواعد کی شکل میں مرتب کیا گیا۔ الغرض تابعین کرام نے مختلف علاقوں میں اسلام کی تعلیمات کو عام کیا اور ان کی تشریح و تفسیر کی۔